تبلیغ اور امت مسلمہ کی ذمہ داری سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر مخدوم محمد روشن صدیقی

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج بقاسم آباد، حیدرآباد، سندھ۔

Prof. Dr. Mekhdoom M. Roshen Siddiqe

ABSTRACT:

Allah created this universe with his Godly powers and systamatice run it smoothly. In this society some people give, others receive some teach and some are being taught, some are

"Men have power over women's."

It means that men are the headers band builders and they take responsibility. Women stand their sub ordinates. if this system is changed and woman enjoy power over men, one would find to tally opposite results. Good would be replaced by Evil, Religion by worldly affairs.... As God has systematice everything, so things would be on Their permanent position, top would remain top and lower would always be lower... Changing this system would result in the ultimate destruction when the followers of Hazarat Loot A.S

The status of Believer is like a soldier as the soldier not only follows the laws of states himself but makes others to follow them also, same way the Believer not only obeys the orders of god himself but forces others to obey them. If we keep on forwarding the messages of Allah, we would be among the blessed ones. Therefore God said.

"Ask that this is my way and I invite to the way of God."

And on the Day of Judgment those people who do not do

all this, what will be their position? God said, verse no = 171.

Now Ulmas devise methods and style taking into accounts the teachings of Holy Prophet (P.B.U.H) and changing demands of time and society. This preaching contrives sometimes in Madarsas, some where from the teaching of Quran, Preaching of religion etc...

These all are all methods to invite towards good. There is no one specific and strict rule regarding preaching and many methods can be experienced and observed. Depending on one method of preaching is equal to folly...

A Man bearing an ideal character attracts others even when he is silent. Therefore Hazarat Nadvi has written. Only eight Muslim traders visited china but due to their pious character and trade style, millions of people embraced Islam. They did not deliver speeches or sermons. They simply did their business but their actions and character worked as a magic. If god blesses human being with secret light/power, them the work for religion becomes quite easy. Therefore it is said," I invite to God with vision." Therefore, if this task is taken with vision, them spreading this message is easy.

This light is gifted by Allah to those who follow sonnat and display moral values in their character. When an individual moves with this vision he communicates this message to others. This is the reason that thousands of Non-Muslim embraced Islam; atone when our Ulma preached Islam.

جزیرۂ عرب کو جب دنیا کے جغرافیے پر دیکھا جائے تو یہ تین طرف سے پانی کے ذریعے بقیہ زمین سے کٹا ہوا نظر آتا ہے اور چوتھی طرف سے یہ بقیہ زمین کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جس طرح انسان کے سینے میں دل لٹک رہا ہوتا ہے اگر آپ دنیا کا نقشہ سامنے رکھ کر غور کریں تو جزیرۂ عرب آپکو دنیا کا جغرافیائی قلب نظر آئیگا۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ

علیہ السلام کو اس خطہ زمین میں مبعوث فرمایا۔

اس خطے میں نبی کریم ﷺ کو بھیجنے کی حکمتیں

ا۔ بہادر لوگوں کا خطہ:

اس خطے نے کبھی بہار نہ دیکھی تھی۔ جبکہ اس کے قرب وجوار کے ممالک میں تہذیب بھی تھی، تمدن بھی تھا، تعلیم بھی تھی اور زندگی گزارنے کی آسائشیں بھی تھیں۔ ایک طرف آپ کو قیصر روم کی سلطنت نظر آئے گی۔ تو دوسری طرف فارس میں بھی آپ کو ایک مستحکم حکومت نظر آئے گی۔ حبشہ اور یمن میں بھی عوام قانون کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ ان کے پاس سہولیات دنیا کی بھی فراوانی تھی۔ لیکن جب جزیرۂ عرب کے لوگوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ ایک جدا دنیا نظر آتی ہے۔ وہ لوگ قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔ ظلم کا دور دورہ تھا۔ معاشرہ کے مختلف لوگوں کے حقوق پامال کئے جارہے تھے۔ چند لوگ جو چاہتے تھے وہ کر گزرتے تھے۔ نہ عورت کے حقوق کا لحاظ کیا جاتا تھا اور نہ ہی غریب اور کمزور کی دادرسی کی جاتی تھی۔ طاقت کے بل بوتے پر مسائل کا حل پیش کیا جاتا تھا۔ علم سے دور جہالت کی زندگی تھی۔ قریب کے بڑے بڑے ممالک کے بادشاہ اس خطہ زمین پر حکومت کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کو اس خطہ زمین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں کے لوگ اکھڑ ہیں، جنگجو ہیں، قانون کو قانون نہیں سمجھتے۔ وہاں کی زمین بنجر ہے۔ غیر ذی زرع ہے۔ کچھ پہاڑی علاقہ ہے وہ بھی بے برگ وگیاہ ہے اور بقیہ صحرا ہے، جہاں میلوں ریت ہی ریت نظر آتی ہے۔ لہذا ان بادشاہوں نے جزیرۂ عرب کے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا ہوا تھا۔ اسلئے اس علاقے میں نبی ﷺ کو بھیجنے کی پہلی حکمت یہ تھی کہ وہاں کے لوگ بڑی جرات والے تھے، ہاں اور ناں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں جانتے تھے۔ اگر وہ کسی بات پر متفق ہو جاتے تو پھر بھرپور تائید کرنے اور مخالفت کرتے تو ڈٹ کر مخالف ہوتے۔ گویا وہ دوست ہوتے تھے یا دشمن۔ ایسے کھرے لوگ اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ اللہ کے محبوب ﷺ کو بھیجا جائے تاکہ اگر ان شدی لوگوں

نے بات کو مان لیا اور اس بات پر جم گئے تو پھر باقی دنیا کے لوگوں سے ان کے لئے بات منوانا آسان ہو جائے گا۔ یوں سمجھئے کہ ساری دنیا میں وہ سب سے زیادہ سرکش لوگ تھے۔

جب اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کو اس جگہ بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے آکر صداقت کے بیج بوئے، وحی کی بارش اتری اور پھر اس زمین سے علم و اخلاق کا وہ گلشن کھلا کہ دنیا نے ایسی بہار پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔

۲۔ وسائل کی کمی کا خطہ:

اس علاقہ کے اندر شدید گرمی کا موسم تھا، پانی اور دیگر وسائل کی کمی تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں زندگی گزارنے کے مشکل ترین حالات موجود تھے۔ لہذا دوسری حکمت یہ تھی کہ جب اس دشوار زندگی میں رہ کر وہ دین کو قبول کریں گے اور پھر دین کا پیغام لے کر نکلیں گے تو بقیہ آسان زندگی گزارنے والے علاقوں میں ان کے لئے جانا سہل ہو جائیگا۔ چونکہ انہوں نے مشکل حالات دیکھے ہوں گے اس لئے ہر حال میں وہ دین کا پیغام پہنچانے والے بن جائیں گے۔

۳۔ فصاحت و بلاغت والے لوگوں کا خطہ:

جزیرۂ عرب کے لوگوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنے آپ کو عرب کہتے تھے اور باقی سب کو عجم کہتے تھے اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت بھی اپنی جگہ مسلم تھی۔ لہذا تیسری حکمت یہ تھی کہ چونکہ ان لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کے بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا اسلئے اللہ تعالی نے اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا کہ جب یہ لوگ میرے دین کا پیغام قبول کریں گے تو یہ پھر دین کے بہترین داعی بن کر پوری دنیا میں سفر کریں گے۔

اس خطے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبولیت حاصل کرنے کے لئے تین راستے تھے۔

پہلا راستہ: نبی علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے تو علاقہ کے اندر کسمپرسی کا حال تھا ظلم کا ہر طرف دور دورہ تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں آپ ﷺ کو مقبولیت حاصل کرنے

لے لئے بڑے آسان طریقے حاصل تھے۔ پہلا یہ کہ طور پر اگر اللہ کے محبوب ﷺ کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگاتے کہ لوگو! ہم اقتصادی طور پر بہت پیچھے ہیں۔ ہمیں کھانے کو ملتا ہے اور نہ ہمیں پہننے کو ملتا ہے لہذا ہمارے معاشی حالات اچھے ہونے چاہئیں، آیئے میں آپ کو روٹی کپڑے اور مکان کے حصول کا طریقہ بتاتا ہوں۔ یہ ایسا نعرہ تھا کہ ایک نعرے کے اوپر پورے کے پورے عرب کے لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ مگر آپ ﷺ نے یہ راستہ اختیار نہ کیا

دوسرا راستہ۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اس دھرتی کے اندر جا بجا ظلم نظر آتا ہے۔ لوگو! پرسکون زندگی حاصل کرنے کے لئے آؤ، میں تمہیں اس معاشرے کے اندر عدل و انصاف قائم کر کے دکھاتا ہوں، جو لوگ ظلم سے تنگ آچکے تھے وہ آپ ﷺ کی آواز پر آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر نبی کریم ﷺ نے یہ آسان راستہ بھی اختیار نہ فرمایا۔

تیسرا راستہ۔ ایک تیسرا راستہ یہ ممکن تھا کہ نبی کریم ﷺ یہ ارشاد فرماتے کہ عرب کے لوگو! دنیا میں دائیں بائیں بڑی بڑی تہذیب یافتہ حکومتیں ہیں، آؤ ہم ایک زبان بولنے والے ہیں، ہم زبان کی بنیاد پر ایک ہو جائیں، اس طرح دنیا کے اندر قیصر و کسریٰ کی طرح ہماری بھی ایک بڑی حکومت ہو جائے گی۔ یہ ایک ایسا لسانی نعرہ تھا کہ جس کی بنا پر عرب کے سب لوگ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے اس آسان راستہ کو بھی اختیار نہ کیا۔

مشکل ترین راستے کا انتخاب: بلکہ آپ ﷺ نے اس راستے کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ دشوار گزار تھا۔ وہ یہ تھا کہ پروردگار کی جانب سے پیغام آیا کہ اے میرے محبوب ﷺ! کہہ دیجئے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ نے عربوں کو جمع کر کے فرمایا!

یا یھا الناس قولو ا لا الہ الا اللہ تفلحون

تم سب کے سب کہو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم فلاح پا جاؤ گے۔ آپ ﷺ کا کہنا ہی تھا کہ پورے عرب کے لوگ آپ ﷺ کے مخالف بن گئے۔ مگر آپ ﷺ نے

جبلِ استقامت بن کر مشقتیں اٹھائیں اور دنیا سے شرک اور بت پرستی کا نام و نشان مٹا دیا۔(۱)

تین برس تک آنحضرت ﷺ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرضِ تبلیغ ادا کیا لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ.

''اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے''۔(۲)

اور نیز حکم آیا

وانذر عشيرتك الاقربين.

''اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا''(۳)

آنحضرت ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارا:

یامعشر القریش!

لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ قریش نے کہا ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سے سچ بولتے دیکھا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا! ''تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہوگا''۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب آپ ﷺ کا چچا بھی شامل تھا، سخت برہم ہو کر واپس چلے گئے۔(۴)

چند روز کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغِ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندانِ عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔ حمزہ، ابوطالب، عباس، سب شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بارِ گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟''

تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتہً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا ''مجھ کو آشوبِ چشم ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے نوعمر ہوں، تاہم میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا''۔

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ آپ ﷺ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی۔ اس لئے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت ﷺ کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر میں تھے ان کو خبر ہوئی، دوڑتے ہوئے آئے اور آنحضرت ﷺ کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب: مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جس کی وجہ سے وہ ہمسایگان خدا، بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے۔ اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا یہاں تک نہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کیے گئے۔

پہلا سبب: غیر تربیت یافتہ اور تند خو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگیٔ انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔ آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جاتی ہے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے۔ حکومتِ موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا۔

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تک

سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی، یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، یہی پانی برساتے تھے، اولادیں دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ میں فتح دلاتے تھے۔

دوسرا سبب: اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتہً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا۔ جنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا۔ لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنیکی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی۔ ابوجہل اس کا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش میں امتیاز رکھتا تھا۔

ابوسفیان اگرچہ اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا جو رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔ قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ بااثر عاص بن وائل تھا جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا۔

قریش کی عنان حکومت انہی رؤساء کے ہاتھ میں تھی اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی۔ قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط انہی لوگوں کے زیر اثر تھے اور اسی وجہ سے ابتدائے اسلام میں ان کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے تھے قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔

وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من

"اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا تو ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا۔"

القریتین عظیم.

رئیس اعظم پر اترا تھا" (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)(۵)

عرب میں ریاست کے لئے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی۔

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے ولید بن المغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی اور ابو مسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان اوصاف سے بالکل خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپ ﷺ کا دامن پاک تھا اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہ رہتی۔

تیسرا سبب: قریش کو عیسائیوں سے باطنی نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ ابرہہ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ ڈھانے کو آیا تھا، عیسائی تھا، یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان دل شکستہ ہوئے چنانچہ یہ آیت اتری۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ

"قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے لیکن یہ لوگ مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آ جائیں گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے" (۶)

[illegible] مذہب اور نصرانیت میں بھی [illegible] باتیں مشترک تھیں [illegible] کہ یہ کہ ا[illegible]

زمانہ میں قبلہ بیت المقدس تھا اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب: ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف تھے۔ بنو ہاشم و بنو امیہ، عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا۔ لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر پیدا نہیں ہوا۔ ابوطالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے۔ ابولہب بدچلن تھا۔ اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابو سفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ ﷺ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ (اوجڑی) لاکر ڈالی تھی اموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا وہ بنو مخزوم تھے، ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا اس لئے اس قبیلے نے بھی آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی۔ ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن شریق، ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ "محمد (ﷺ) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے"؟ ابوجہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے۔ انہوں نے مہمانداریاں کیں تو ہم نے بھی کیں، انہوں نے خون بہاد یئے تو ہم نے بھی دیئے، انہوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں، یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعوے دار ہیں۔ خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر ایمان نہیں لا سکتے۔

پانچواں سبب: ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار ہر قسم کی ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب جو ایک بڑا

ہاشم میں سب سے ممتاز تھے اس نے حرم محترم کے خزانہ سے ایک ۔۔ کا ہرن چرا کر بیچ ڈالا تھا۔ اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور روسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا کزاب تھا۔ عمرو بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کرتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیوں میں سخت دارو گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت واقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں پیہم اعلانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ.

"اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے آبرو باختہ ہے طاعن ہے، چغلیاں لگاتا ہے لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے، تندخو ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے، اس لئے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے"۔ (۷)

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ.

"وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے" (۸)

ممکن تھا کہ وعظ و نصیحت کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی مری نخوت، دولت و اقتدار کا فخر ریاست کا زعم، ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوگی تیار نہ ہوتے، اس لئے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے:۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَبَنِينَ

شُهُودًا وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا .

"ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو میں نے اس کو پیدا کیا، پھر بہت سامال دیا، بیٹے دیئے، سامان دیا، پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں، ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے"۔(۹)

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے جو قریش کا سرتاج تھا اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا۔ لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا اور ان کی شان میں کہتا تھا:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ.

"بلاشبہ تم اور جن چیزوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے"۔(۱۰)

قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا، توقع یہ تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ نت خون ریزیاں شروع ہو جاتیں لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے اکثر اسباب تھے، قریش خانہ جنگیوں میں تباہ ہو چکے تھے اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرنے تھے، قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے۔ مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک بدلہ نہ لے لیا جائے تو یہ آگ نہیں بجھ سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لئے نہایت آسان تھا لیکن وہ

جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام لئے بغیر نہ چھوڑیں گے اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں اس لئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا بلکہ سینکڑوں تھے اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا۔ رؤسائے قریش میں متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے، وہ بد نفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیالات کی بنا پر مخالفت کرتے تھے اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی سے طے ہو جائے۔

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ دعوت کیا اور بت پرستی کی اعلانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززین ابو طالب کے پاس آ کر شکایت کی۔ ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ وجہ نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے اس لئے یہ شکایت دوبارہ ابو طالب کے پاس گئی اس میں تمام رؤسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابو سفیان، عاص بن ہشام، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لئے یا تو تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابو طالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب ضبط نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظوں میں کہا ”جان عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ”خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا“۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ”جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا“۔ (1)

اللہ رب العزت نے اس کائنات کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا اور اس کے نظام کو چلانے کے لیے ایک ترتیب دی۔ اس معاشرے میں کچھ لوگ دینے والے ہوتے ہیں اور کچھ لینے والے ہوتے ہیں، کچھ پڑھانے والے اور کچھ پڑھنے والے ہوتے ہیں، کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ چھوٹے ہوتے ہیں، کچھ حاکم ہوتے ہیں اور کچھ محکوم ہوتے ہیں۔ اگر سارے کے سارے انسان ایک بن جائیں تو معاشرے کا نظام چل ہی نہیں سکے گا۔ جس طرح ایک کارخانے میں کوئی منیجر ہوتا ہے اور کوئی اس کا ماتحت ہوتا ہے، اگر سارے کے سارے ایک ہی عہدے پر فائز کر دیے جائیں تو نظام چل ہی نہیں سکے گا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے بھی معاشرے کو چلانے کی ایک ترتیب بنائی ہے۔ اس ترتیب میں کسی کو اللہ نے مقام دیا ہے اور کسی کو اس کا ماتحت بنا دیا ہے۔ جب تک وہ ترتیب اپنی اصلی شکل میں باقی رہے گی خیر ہوگی اور اگر ترتیب الٹ جائے تو نتیجے بھی الٹ جائیں گے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الرجال قوامون علی النساء

مرد عورتوں پر حاکم ہیں (۱۲)

یعنی گھروں کے اندر کی قیادت، امارت اور سیادت اللہ تعالیٰ نے مردوں کو دی ہے۔ وہ گھر کے نگران اور ذمہ دار ہیں اور عورتوں کو ان کا ماتحت بنا کر ان کی ملکہ بنایا۔ اگر یہ ترتیب بدل جائے اور

النساء قوامات علی الرجال

بن جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اس گھر کا نتیجہ ہمیشہ الٹا ہوگا۔ وہاں سے خیر نکلنے کے بجائے شر نکلے گا، دین نکلنے کے بجائے دنیا نکلے گی اور اچھائی کی بجائے برائی نکلے گی۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی ترتیب ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اونچا رکھا ہے وہ اونچا رہے گا اور جس کو نیچے رکھا ہے وہ نیچے رہے گا اور بندہ اللہ تعالیٰ کی اس ترتیب پر راضی رہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ترتیب کو الٹنا ایک عذاب ہوتا ہے۔ اسی لئے جب قوم لوط پر عذاب آیا تو رب کریم نے ارشاد فرمایا:

فجعلنا عالیھا سافلھا

پھر ہم نے اس شہر کو (الٹ کر) نیچے سے اوپر کر دیا (۱۳)

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو زمین کے اوپر کو زمین کے نیچے کے ساتھ بدل دیا گیا، یعنی اوندھا کر دیا گیا۔

جس نے کلمہ پڑھا اس نے اللہ رب العزت سے ایک عہد کر لیا۔ یہ عہد کرنے سے بندہ ایمان والا بن جاتا ہے۔ اور یاد رکھیں کہ ایمان ایک امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض (۱۴)

ہم نے بار امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے امانت کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر پیش کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ ذمہ داری اپنے بندوں کے سر پر رکھ دی اور انسان نے اس ذمہ داری کو اپنے سر پر لے لیا۔

امانت کے بارے میں ایک دستور ہے کہ وہ کسی کی دی ہوئی چیز ہوتی ہے اور اس کو پہنچانا لازمی ہوتا ہے۔ اگر آدمی امانت کو نہ پہنچائے تو وہ سزا کا مستحق بنتا ہے۔

اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰہ یامرکم ان تودو الامانات الی اھلھا

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کو ان کی امانتیں پہنچا دو۔ (۱۵)

جب یہ ایمان کسی بندے کے سینے میں اتر جائے تو وہ امانت ہوتا ہے۔ اس امانت کو آگے پہنچانا ہے۔ کہاں پہنچانا ہے؟ اللہ کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ایک ترتیب ہے۔ یہ امانت پہلے انبیاء کو ملتی تھی اور انبیاء اپنی زندگی میں اپنی امتوں تک پہنچاتے تھے۔ نبی رحمت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا گیا اور اس کی برکت سے وہ نعمت آپ ﷺ کے ورثاء کو دے دی گئی۔

العلماء ورثة الانبياء

علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔

چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے نائب بن کر اب اس امانت کو پوری دنیا میں پھیلائیں گے اور جو لوگ ان علماء سے حصہ پائیں گے وہ بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق اس امانت کو آگے پہنچائیں گے۔ تو نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت کے صدقہ یہ ذمے داریاں ہر ایک مؤمن کے سپرد کر دی گئیں۔ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے داعی بننے کا فریضہ عطا فرمایا۔

مؤمن کی حیثیت ایک سپاہی کی مانند ہے جس طرح سپاہی خود بھی احکام سلطنت کی پابندی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان احکام کی پابندی پر متوجہ کرتا ہے، اسی طرح مومن بھی احکام خداوندی پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کو احکام خداوندی پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اگر ہم اس امانت کو آگے تقسیم کرتے رہیں گے تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ملتی رہیں گی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قل هذه سبيلي ادعو الى الله

کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (۱۶)

اور قیامت کے دن جو لوگ یہ کام نہیں کریں گے ان کا کیا حال ہوگا؟ ارشاد فرمایا:

ويوم يعض الظالم على يديه يقول يليتني اتخذت مع الرسول سبيلاً

اور (قیامت کے) دن ظالم اپنا ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہ کاش میں نے پیغمبر کے کی پیروی کو اختیار کیا ہوتا۔ (۱۷)

وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہم نے رسول اللہ ﷺ کے طرز زندگی کو اپنایا ہوتا۔ ان کو اس بات کی حسرت ہوگی۔

اللہ رب العزت کی طرف سے دعوت، تبلیغ کا حکم واضح ہے اور اس کے طریقے کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ گویا حکم منصوص ہے اور علمائے کرام نور نبوت کی تعلیمات کو

۔ ضرورت کے مطابق طریقے ترتیب دیئے جا رہے ہیں کہ

۔۔۔ کہیں مدارس کی شکل میں

۔۔۔ کہیں درس قرآن کی شکل میں

۔۔۔ کہیں دعوت و تبلیغ کے کام کی شکل میں

۔۔۔ اور کہیں خانقاہوں میں اللہ اللہ کی شکل میں

یہ سب دعوت کے انداز ہیں۔ یاد رکھیں کہ دعوت الی اللہ کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ چپکا رہنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ ایسا بندہ یا تو جاہل ہے یا پھر مجہول ہے۔ دعوت حکم ربانی ہے اور داعی بنتا ہے۔ لیکن جہاں تک ترتیب کا تعلق ہے اس کے بارے میں وسعت ہے۔ اس کے مختلف انداز ہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کی جو آج کل شکل ہے، فقط یہی دعوت ہے تو کیا نبی ﷺ سے لے کر حضرت مولانا الیاسؒ کے درمیان تک، کے سب لوگ بغیر دعوت کے دنیا سے چلے گئے؟ لہذا تبلیغ کے لئے ایک ترتیب کے اندر ہی انحصار کر لینا غلطی ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج کے دور میں یہ سب سے اچھی ترتیب ہے۔

چونکہ دعوت و تبلیغ کے مختلف انداز ہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ مدارس میں بیٹھ کر حدیث کا درس دینے والے استاذ بھی دین کی دعوت دینے والے ہیں اور مساجد میں صبح شام درس دینے والے علمائے کرام بھی دین کی دعوت دینے والے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ دعوت الی اللہ کا یہ کام ہر ایک کے لئے اپنی اپنی استعداد کے مطابق کرنا ضروری ہے، جو بڑے علماء ہیں ان کا ایک گروہ ایسا ہوگا جو دعوت کا یہ کام کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (۱۰۴)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی

لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

اس فرض کفایہ کو کچھ علماء تو کامل طریقے سے پورا کرتے رہیں گے اور باقی ہر بندہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس کام کو کرے۔ فقط علماء کا فرض نہ سمجھے کہ دین کی طرف بلانا صرف علماء کا کام ہے، بلکہ یہ ہر کلمہ گو کا کام ہے۔ وہ جہاں نوکری کرتا ہے، جہاں کام کرتا ہے اور جہاں رہتا ہے، ہر جگہ اپنی استعداد کے مطابق اپنے ارد گرد کے لوگوں کو خیر کی طرف متوجہ کرے حق اور سچ کی زندگی گزارنے کی ترغیب دے۔

دعوت و تبلیغ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان مجسم دعوت بن جائے اور اپنے قول و فعل دونوں سے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے۔ بلکہ عمل سے دین کی طرف بلانا قول سے بلانے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی ابتداء میں اپنے عمل سے لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

فتحت المدینة بـ: لا خلاق،

نبی ﷺ نے اپنے اخلاق کے ذریعے مدینہ کے لوگوں کے دلوں کو فتح فرمایا۔

یاد رکھیں کہ دنیا تلوار کا مقابلہ کر سکتی ہے کردار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کردار دیکھنے میں ایک بے قیمت سی چیز نظر آتی ہے لیکن اللہ کی قسم! اس کردار کے ذریعے انسان سب سے قیمتی چیز کو بھی خرید لیا کرتا ہے۔

انگریزی کا مقولہ ہے:

Health lost nothing lost,

wealth lost nothing lost,

but character lost is everything lost

کردار کی برکتیں تقریر اور تحریر دونوں سے بڑھ جایا کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی زبان اگر نہ بھی بولے تو ان کے عمل اور اخلاق بولتے ہیں اور وہ دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اسی لئے حضرت ندویؒ نے لکھا ہے کہ چین میں آٹھ مسلمان تاجر گئے اور انہوں نے وہاں جا کر تجارت کی اور ان کے حسن تجارت کو دیکھ کر پورے کے پورے ملک کے لوگ مسلمان ہو گئے۔ نہ انہوں نے خطبے دیئے اور نہ ہی بیانات کئے، انہوں نے جا کر صرف تجارت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے ہر ہر عمل میں ایسا حسن و جمال ہے کہ وہ کفر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے اندر مقناطیسیت رکھتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ انسان کو باطن کا نور عطا فرما دیں تو پھر دین کا کام بہت آسان ہو جاتا ہے، اسی لئے ارشاد فرمایا

ادعو الی اللہ علی بصیرہ

میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ (۱۹)

اسی لئے اگر بصیرت کے ساتھ کام کیا جائے تو اس دعوت کا فیض بہت زیادہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں بصیرت کو ہی فقاہت کہتے ہیں۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (۲۰)

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فر. دیتے ہیں۔

اور دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

من یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں۔

یہ ایک ایسا نور ہے جو اللہ تعالیٰ اعمال میں اخلاص اور اتباع سنت کی وجہ سے مومن بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔ جب انسان اس نور بصیرت کو لے کر چلتا ہے تو اس کا فیض دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔

داعی کی چند اہم صفات

قرآن مجید سے داعی کی چند ایسی صفات کا علم ہوتا ہے کہ اگر انسان اپنے اندر پیدا کر لے تو اللہ تعالیٰ اسکے کام میں زیادہ برکت رکھ دیتے ہیں۔

(۱) دل میں محبتِ الٰہی پیدا کرنا: سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اعمال اور عبادات کے ذریعے اپنے دل کو اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز کر لیا جائے حتیٰ کہ وہ مقام مل جائے کو قرآن مجید میں فرمایا گیا:

والذین امنو اشد حباللہ

اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔(۲۱)

یہ شدت محبت دراصل شدت ایمان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں ہو گی تو بندہ جو بات کریگا وہ دوسرے کے دل پر اثر ڈالے گی۔

ہم دیکھتے ہیں اگر عام آدمی کسی کو کوئی کام کہہ دے تو اس کو عمل کی توفیق نہیں ملتی اور اگر کوئی نیک اور مخلص اللہ والا وہی کام اس کو کہہ دے تو وہ آدمی کرنا شروع کر دیتا ہے کیونکہ کہنے والے کے الفاظ میں عمل کی پاکیزگی کی وجہ سے ایک برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہم جب اس فرض کو پورا کریں گے تو ہم اجر کے مستحق بن جائیں گے۔ نتائج کو ہم اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ وہ جب چاہے گا اور جسے چاہے گا متوجہ کر دے گا۔

(۲) بے غرض ہو کر دعوت دینا: ہمیں چاہیے کہ دین کی جو بات بھی کریں بے غرض ہو کر کریں۔ اسی لئے انبیائے کرام نے اپنی امتوں کو فرمایا:

یقوم لا اسئلکم علیہ اجرا

اے لوگو! میں اس کام کے بدلے تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا۔(۲۲)

یعنی۔۔ کہنا چاہتے تھے کہ میں تجھے کچھ دینے آیا ہوں تم سے لینے نہیں آیا، جب یوں

بے غرض ہو کر دعوت دی جائے تو اس میں اور زیادہ برکت ہوتی ہے۔

(۳) بلا تخصیص دعوت دینا: جب دعوت دیں تو سب کو دیں، یہ نہ ہو کہ صرف لکھے پڑھے لوگوں کو دیں۔ بلکہ ان پڑھ کو بھی دیں۔ چھوٹے کو بھی دیں اور بڑے کو بھی دیں، امیر کو بھی دیں اور غریب کو بھی دیں۔ جس میں جتنی زیادہ طلب دیکھیں اس پر اتنی زیادہ محنت کریں۔ ایک نابینا صحابیؓ دل میں طلب لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے تو اللہ تعالیٰ نے انکی کیسی پشت پناہی فرمائی۔ اپنے محبوب ﷺ کو محبوبانہ انداز میں فرمادیا:

عبس و تولی ○ان جآء ہ الاعمیٰ○

ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے کہ آیا انکے پاس ایک نابینا۔(۲۳)

معلوم ہوا کہ جب کوئی طلب لے کر آئے تو اس بندے کو انسان ہمیشہ ہاں میں جواب دے۔ اپنے آرام کو قربان کرے، اس کی حتی الوسع کوشش یہی ہو کہ طلب کا جواب ہمیشہ ہاں میں دے۔

(۴) دل میں رحمت و شفقت ہونا: داعی کا دل ہمیشہ رحمت اور شفقت سے بھرا ہوا ہونا چاہیے کیونکہ یہ نبی رحمت ﷺ والا کام ہے۔ غصہ بھر جانا، دوسروں کے بارے میں طبعیت کے اندر بغض کا آجانا، ذرا سی بات پر چڑ جانا یا ایک دفعہ کہہ کر روٹھ جانا کہ جی میں نے اس سے کہا تھا لیکن وہ تو سنتا ہی نہیں۔ یہ داعی کے کام نہیں ہیں۔ نبی ﷺ اپنے چچا ابو جہل کے گھر بقول علامہ شبلیؒ تین ہزار (۳۰۰۰) مرتبہ اللہ کی دعوت دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سے پتہ چلا کہ طبعیت کے اندر دوسروں کی خیر خواہی ہو۔ اسی لئے انبیائے کرام میں سے ہر ایک نے فرمایا:

ان ارید الا الا صلاح ما استطعت

میں تو جہاں تک مجھ سے ہوسکے تمہاری اصلاح ہی چاہتا ہوں۔(۲۹)

انبیائے کرام دنیا میں تشریف لا کر جو دعوت کا کام کرتے تھے اس کا مقصد ''اصلاح''

ہوتا تھا۔مگر یہ چیز انسان کو اس وقت ملتی ہے جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب وہ عبادت میں، اللہ کے ذکر میں اور فکر میں خوب لگ کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ تمام صفات اس بندے کو عطا فرما دیتے ہیں۔

(۵) تہجد میں اللہ تعالیٰ سے مانگنا: انبیائے کرام کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ رات کے آخری پہر میں اٹھ کر اللہ رب العزت سے مانگا کرتے تھے۔

کانو قلیلا من اللیل ما یھجعونo و بالا سحارھم یستغفرون o

وہ راتوں کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے۔(۲۵)

ایک اور مقام پر فرمایا:

انھم کانو ایسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغبا و رھبا و کانوا لنا خاشعین

وہ خیر کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے اللہ کو پکارتے تھے امید خوف کے ساتھ اور وہ ہم سے خشوع اختیار کرنے والے تھے۔(۲۶)

گویا داعی کے دل میں خشوع بھی ہو، خوف بھی ہو، امید بھی ہو اللہ سے راتوں و مانگ بھی رہا ہو۔تو پھر اللہ رب العزت اسکو عطا فرما دیتے ہیں۔ نبی ﷺ بھی اپنی امت کے بارے میں غمزدہ رہتے تھے۔اسی طرح داعی کو بھی چاہیئے کہ وہ غمزدہ رہے اور اللہ سے دعائیں مانگے۔زبان سے دعوت دے اور نمازیں پڑھ کر، تہجد پڑھ کر اور ذکر و مراقبے کر کے اللہ سے رو کر بھی مانگے۔رات کو مانگنا سب کے لئے ضروری ہے۔ چاہے وہ معلم ہو یا داعی ہو، شاگرد ہو یا شاگردہ ہو، کوئی بھی ہو، ہر ایک کے لئے رات کو اٹھ کر مانگنا ایک بڑی نعمت ہے۔

اللہ والوں کا یہی دستور ہے کہ وہ رات کے آخری پہر میں اللہ سے رو رو کر مانگتے ہیں

اور پھر دن کے وقت اللہ کی مخلوق پر محنت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو عمل کی توفیق مل جاتی ہے۔

نبی علیہ السلام کے تین شاگرد تھے، ان تینوں کا نام عبداللہ تھا، وہ ایسے عباد اللہ تھے کہ خدمت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اللہ رب العزت کے پیارے محبوب علیہ السلام ان سے اتنے خوش تھے کہ تہجد کی نماز کے بعد ان کے لئے بعض اوقات نام لے کر دعائیں فرمایا کرتے تھے اور محبوب خدا علیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو اپنے اپنے فن کا امام بنادیا۔ چنانچہ

۔۔۔۔۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ امام المفسرین بنے،

۔۔۔۔۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام المحدثین بنے اور

۔۔۔۔۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام الفقہاء بنے۔

ذکر الٰہی کرتے رہنا: ذکر کا کام دعوت الی اللہ کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تو ارشاد فرمایا،

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ

جایئے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیوں کو لے کر اور تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا۔ (۲۷)

تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا۔ اب بتایئے کہ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کی تشکیل فرما رہے ہیں کہ

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى

اور اس وقت ہدایات دیتے ہوئے فرمایا

وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ

کہ تم دونوں میری یاد سے غافل نہ ہونا۔

سوچئے کہ اس سے زیادہ ذکر کی کیا اہمیت ہوگی۔ ذکر اس کام میں معاون ہے۔ کیونکہ ذکر کے بغیر انسان اندر سے خالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ رَبَّهٗ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ..

مثال اس کی جو ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

ایک ہوتا ہے سرکنڈا اور ایک ہوتا ہے گنا۔ سرکنڈا وہ ''کانا'' ہوتا ہے جس سے بچے قلمیں بناتے ہیں۔ اگر موٹا سرکنڈا ہو اور پتلا گنا ہو تو وہ دونوں شکل میں ایک جیسے نظر آتے ہیں مگر دونوں کی حقیقت مختلف ہوتی ہے۔ سرکنڈا اندر سے خشک بھی ہوتا ہے، پھیکا بھی ہوتا ہے اور بے ذائقہ بھی ہوتا ہے اور اگر گنے کو چوسیں تو وہ اندر سے تر بھی ہوتا ہے، شیریں بھی ہوتا ہے اور خوش ذائقہ بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو اندر سے خشک بن جاتے ہیں، ذکر سے انسیت ہی نہیں ہوتی لہٰذا ان کی زبان میں مٹھاس ہی نہیں ہوتی۔

دل کا سوز سے بھر جانا: نبی علیہ الصلوۃ والسلام بعض اوقات امت کے لئے اتنے غمزدہ ہوتے تھے کہ آپ کا دل سوز سے بھر جاتا تھا۔ ہمیں بھی اسی غم اور فکر کے ساتھ دوسروں کو دعوت دینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو فرماتے ہیں:۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء: ۳)

شاید کہ تم اس غم سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کردو

دل میں اخلاص پیدا کرنا: اس کام میں اخلاص بڑا ضروری ہے۔ یاد رکھیں دین کا کام اخلاص کے بغیر آگے نہیں بڑھتا، کیا آپ دیکھتے نہیں کہ دنیا میں کتنے مدارس بنتے ہیں مگر کچھ عرصہ کے بعد عمارتیں کھوکھلی ہو کر گر جاتی ہیں وہاں کوئی نہیں ہوتا۔ اور کچھ مدارس کو اللہ تعالیٰ ایسی قبولیت دے دیتے ہیں کہ سینکڑوں سال تک اللہ تعالیٰ ان کا علمی فیض پھیلا دیتے ہیں اور ان کی

ہزاروں شاخیں بن جاتی ہیں۔

بندے کو کیسے پتہ چلے کہ میں دین کا کام اخلاص سے کر رہا ہوں یا نہیں؟ یہ بات میں نے اپنے بڑوں سے سنی ہے اور اسے ہیرا اور موتی سمجھتا ہوں۔

ہمارے اکابر نے فرمایا کہ دین کا کام کرنے والے اپنے اندر اخلاص کو اس طرح چیک کرتے رہیں کہ جب دین کا کام کرتے ہوئے باقی دین کے کام کرنے والوں کے ساتھ دل میں احسان مندی کے جذبات ہوں تو بندہ سمجھے کہ میں اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ جس شکل میں بھی دین کا کام کر رہے ہیں، اگر ان کے بارے میں دل میں احسان مندی کے یہ جذبات ہوں کہ یہ گویا میرے اوپر احسان کر رہے ہیں تو یہ اخلاص ہے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر گلی کے ایک طرف مسجد ہو اور کوئی بندہ بالکل اس کے سامنے مسجد بنا لے اور ادھر کا عالم اپنے دل میں خوش ہو کر کہے الحمد اللہ پہلے میں ایک آدمی کام کرنے والا تھا، اب اللہ نے ایک اور آدمی کام کرنے والا بنا دیا ہے۔ تو اس خوشی پر وہ مخلص سمجھا جائیگا اور اگر دل میں انقباض ہوگا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ ابھی اس میں اخلاص نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ دین کا کام کرنے والے فقط میری ترتیب کے مطابق کام کریں تو دین کا کام کرنے والے کہلائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ابھی دین میں اخلاص کو پیدا نہیں کیا۔

مدارس کی بھی ایک ترتیب ہے۔

دعوت و تبلیغ کی بھی ایک ترتیب ہے اور

خانقاہوں کی بھی ایک ترتیب ہے۔

یہ سب گناہوں میں پڑے بندوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں اور لوگوں کی زندگیاں سنت کے مطابق بن جاتی ہیں۔ تو جو آدمی جس انداز سے بھی دین کا کام کر رہا ہے اگر وہ اپنا کام بھی کرتا رہے اور دوسرے کام کرنے والوں کے بارے میں دل میں احسان مندی کے جذبات بھی پائے تو وہ سمجھ لے کہ میں اخلاص سے کام کر رہا ہوں۔ جب وہ احسان مند ہوگا تو کیا

وہ ان کے لئے دعائیں نہیں کرے گا۔ یہ پہچان ہے کہ وہ خود بھی دین کا کام کرتے ہیں اور دین کا کام کرنے والے دوسرے شعبوں کے جتنے لوگ ہیں وہ ان سب کے لئے دعائیں بھی کرتا ہے۔

ناپسندیدہ حالات میں برداشت کرنا: تبلیغ کے کام کو کرتے ہوئے بعض اوقات آپ کو بعض ناپسندیدہ حالات بھی پیش آسکتے ہیں۔ لیکن کبھی مخلوق کی ملامت پر دھیان نہیں دھرنا بلکہ اپنے کام کو صبر اور استقلال سے آگے بڑھانا ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ نے فرمایا:

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ

اور وہ نہیں ڈرتے ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ (۲۸)

ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ وہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگے، ''اللہ کے نام پر مجھے دو'' لوگوں نے دینا شروع کر دیا۔ جب ان کے ایک عقیدت مند نے انہیں دیکھا کہ اتنے بڑے شیخ مسجد کے دروازے پر کھڑے مانگ رہے ہیں تو وہ بڑا پریشان ہوا۔ اس نے جا کر جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کو بتایا کہ جی اتنے بڑے شیخ ہیں اور مسجد کے دروازے پر کھڑے مانگ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، اچھا اب جاؤ اور ان کو یہ پیسے میری طرف سے دے دو۔ اس نے جا کر وہ پیسے ان کو دے دیئے۔ پھر واپس آکر بتایا کہ انہوں نے لے لئے ہیں۔ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب وہ لے لیں تو آخر میں جا کر ان سے پوچھنا کہ حضرت! آپ یہ کیوں لے رہے تھے؟ چنانچہ وہ ان کے پاس چلا گیا۔

جب ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو اس نے پوچھا، حضرت! آپ کیوں لے رہے تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ آج میرے دل میں الہام ہوا کہ تم میرے نام پر لوگوں سے مانگو اور جو کچھ تمہیں ملے اسے غرباء میں تقسیم کر دو، جو آج تمہارے ساتھ خیر کا معاملہ کرے گا، پروردگار دینے والوں کو کئی گنا زیادہ عطا کروں گا۔ جب مجھے یہ الہام ہوا تو میں نے اس میں اپنی بے عزتی نہیں سمجھی بلکہ میں نے اپنے بھائیوں کے فائدے کی خاطر

جامع مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اللہ کے لئے مانگنا شروع کر دیا۔ جس طرح نہ مانگنا اچھا ہوتا ہے اسی طرح بعض اوقات اللہ کے لئے مانگنا بھی فضیلت کا کام ہوتا ہے۔ اس سے بھی نفس ٹوٹتا ہے۔ اس لئے ایسے حالات سے انسان کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن کی ندامت سے محفوظ فرما دے۔

دعوت کا کام کرنے پر شکر ادا کرنا: اگر ہم سرکاری کام نہیں کریں گے تو سرکار کسی اور سے کام لے لے گی۔ اسی لئے ارشاد فرمایا:۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ.

اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا جو تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ (۲۹)

ہم اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلائیں کہ ہم دین کی دعوت کا کام کر رہے ہیں، مدرسے میں پڑھا رہے ہیں اور درس قرآن دے رہے ہیں۔ ایک فارسی کے شاعر نے خوب کہا کہ:۔

اے مخاطب! تو بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے بلکہ بادشاہ کی خدمت کرنے والے تو لاکھوں ہیں، یہ تو بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے خدمت کے لئے قبول کر لیا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے کام کے لئے قبول کر لیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ شکر بجا لائیں کہ اے مالک! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ نسبت عطا فرمائی ہے۔ بہر حال آپ اس علم کو جو آپ نے حاصل کیا، زیور کی شکل میں اپنے اوپر سجائیں اور اس کو آگے پہنچانے کی نیت بھی کر لیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو۔ (۳۰)

اگر آج بھی ہم چاہیں کہ دین کا کام آگے بڑھے اور مسلمانوں کو وہی شان و شوکت

حاصل ہو تو ہم میں سے ہر بندے کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق دین کی دعوت کا کام کرنا ہوگا۔

داعی کے کام میں اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی: جب آپ دین کا کام کریں گے تو آپ کے کاموں کی رکاوٹیں اللہ تعالیٰ خود دور فرمادیں گے۔ آپ اسباب کو مت دیکھیں۔ یہ نہ سوچیں کہ یہ کیسے ہوگا اور وہ کیسے ہوگا۔ جب کام ہی پروردگار کا ہے تو پھر ہم ہر چیز سے بالاتر ہو کر اپنے رب پر نظریں جما کر دین کے کام کے لئے قدم اٹھائیں، وہ اسباب کو خود ہی ترتیب دیتا چلا جائیگا۔ کیونکہ جب داعی اخلاص کے ساتھ کام کر رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پشت پناہی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى

فرعون کی طرف جایئے وہ بڑا سرکش ہو رہا ہے۔(۳۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں ایک طبعی سا خوف آیا کہ ادھر فرعون ہے، اس کی Established (منظم) گورنمنٹ ہے، اتنی بڑی قوم اس کا ساتھ دینے والی ہے اور ہم صرف دو آدمی اس کی طرف جارہے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی

تم دونوں نہ ڈرو، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔(۳۲)

یعنی فرعون جو بات تم سے کرے گا میں وہ سنوں گا بھی اور وہ تمہارے ساتھ جو معاملہ کرے گا وہ دیکھوں گا بھی۔ جب میں دیکھنے والا اور سننے والا پروردگار تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح جب دین کی دعوت کا کام کرنے والا بندہ اللہ پر نظر رکھ کر قدم اٹھالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا معاون بن جاتا ہے، اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے، اللہ اس کا ناصرِ حقیقی بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ داعی کو دین کے کام میں جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمادیتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ جایئے فرعون کی طرف، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ میری زبان میں تو لکنت ہے اور میں اتنی واضح بات بھی نہیں کرسکتا انہوں نے دعا مانگی:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ o وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ o یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ o وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ o هٰرُوْنَ اَخِیo(۳۴)

میرے پروردگار! میرا سینہ کھول اور میرا کام آسان کردے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں اور میرے گھر والوں میں سے میرا وزیر مقرر فرما (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔

اب دیکھئے کہ جب داعی اخلاص کے ساتھ اللہ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے تو اس وقت اگر وہ یہ دعا بھی مانگے کہ اے اللہ! میرے بھائی کو آپ میرا وزیر بنادیجئے تو اللہ تعالیٰ اس کے بھائی کو بھی نبوت عطا فرمادیتے ہیں۔ اگر یہ دین کا کام کرنے والا مرد یا عورت، طالب علم یا طالبہ اللہ سے یہ دعا مانگے گی کہ اے اللہ! اس دینی کام میں میرا باپ رکاوٹ ہے، میری ماں رکاوٹ ہے، میرا خاوند رکاوٹ ہے، میرا بھائی رکاوٹ ہے، اے اللہ! اس کو اس معاملہ میں میرا معاون بنادے تو کیا خیال ہے کہ اخلاص کے ساتھ کام کرنے والوں کی دعا کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔ جو پروردگار نبوت کا مقام عطا فرمادیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کسی کو ولایت کیوں نہیں عطا فرمائے گا۔ اس لئے یہ کہہ دینا کہ میں نے تو جیسے کیسے پڑھ لیا ہے مگر میرا میاں ٹھیک نہیں ہو رہا، یہ درست نہیں ہے۔ آپ دین کا کام کریں اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ سے مانگیں، اللہ

تعالیٰ دل کی دنیا بدل کے دکھادے گا۔ اللہ تعالیٰ مخالف حالات کو آپ کے لئے معاون بنادے گا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری مخالفت ختم ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تھی۔ ایسی ختم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ٥

فرمایا، مضبوط کیئے تمہارے ہاتھ تمہارے بھائی کے ذریعے سے اور ہم نے تم دونوں کے لئے شان وشوکت رکھ دی، وہ تمہیں پہنچ بھی نہیں سکیں گے۔ آپ جایئے ہماری ان نشانیوں کو لے کر، آپ اور جو آپ کی اتباع کرنے والے ہوں گے وہ یقیناً غالب آ کر رہیں گے۔ (۳۴)

دیکھئے کہ اللہ رب العزت کتنے مہربان ہیں۔ وہ دین کی دعوت کا کام کرنے والوں کی پشت پناہی فرمادیتے ہیں اور غور کریں جب فرعون نے ان کی دعوت کو تسلیم نہیں کیا تو نتیجہ کیا ہوا۔ ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا کے اندر غرق کردیا۔ غرق ہوتے ہوئے کہنے لگا،

اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ

میں ایمان لایا موسیٰ اور ہارون کے رب پر

فرمایا:۔

آلْئٰن اب تمہاری آنکھیں کھلی ہیں

اب بہت دیر ہوگئی ہے

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ٥ وَكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ٥ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ. (۳۵)

ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا، اور خزانوں اور نفیس مکانات سے، اور ان کا وارث بنی اسرائیل کو کردیا۔

لہذا داعی جب دین کا کام کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ رکاوٹوں کو دور کرتا رہے گا اور داعی کو عزتوں کے ساتھ کامیاب فرما دیں گے۔(۳۶)

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے وہ ہمیں آخلاص کے ساتھ دین کا داعی بنائے۔آمین۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) سیرت ہاشمی، مصنف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹویؒ سندھی مترجم اسرار احمد علوی ناشر مہران اکیڈمی۔ صفحہ نمبر ۶۲، ۹۹، ۳۳۲، ۴۳۸۔ خطبات مصنف، حافظ ذوالفقار احمد، مکتبہ الفقیر فیصل آباد جلد ۴، صفحہ نمبر ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۵۰۔

(۲) سورۃ الحجر آیت نمبر ۶ پارہ ۱۴۔

(۳) سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۱ پارہ ۱۹۔

(۴) الصحیح البخاری جلد ۲، صفحہ ۷۰۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

(۵) سورۃ الزخرف آیت نمبر ۳ پارہ ۲۵۔

(۶) سورۃ روم آیت نمبر ۱ پارہ ۲۱۔

(۷) سورہ قلم آیت نمبر ۱۰ تا ۱۴ پارہ ۲۹۔

(۸) سورۃ العلق آیت نمبر ۱۵، ۱۶ پارہ ۳۰۔

(۹) سورۃ مدثر آیت نمبر ۱۱ تا ۱۴ پارہ ۲۹۔

(۱۰) سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۷ پارہ ۱۷۔

(۱۱) سیرت النبی ﷺ جلد اول مصنف علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ جلد ۱، ۲، صفحہ نمبر ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ناشر دار الاشاعت کراچی۔

(۱۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۳۴ پارہ ۵۔

(۱۳) سورۃ الحجر آیت نمبر ۴۷ پارہ ۱۴۔

(۱۴) سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۷ پارہ ۲۲۔

(۱۵) سورۃ النساء آیت نمبر ۵۸ پارہ ۵۔

(۱۶) سورۃ یوسف آیت نمبر ۱۰۸ پارہ ۱۳۔

(۱۷) سورۃ الفرقان آیت نمبر ۲۷ پارہ ۱۹۔

(۱۸) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴ پارہ ۴۔

(۱۹) سورۃ یوسف آیت نمبر ۱۰۸ پارہ ۱۳۔

(۲۰) بخاری شریف جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۱۶ باب العلم قبل القول والعمل ناشر قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

(۲۱) سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۶۵ پارہ ۲۔

(۲۲) سورۃ ھود آیت نمبر ۵۱ پارہ ۱۲۔

(۲۳) سورۃ عبس آیت نمبر ۱۔۲ پارہ ۳۰۔

(۲۴) سورۃ ھود آیت نمبر ۸۸ پارہ ۱۲۔

(۲۵) سورۃ الذٰریٰت آیت نمبر ۱۷، ۱۸ پارہ ۳۰۔

(۲۶) سورۃ الانبیاء آیت ۹۰ پارہ ۱۷۔

(۲۷) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۲ پارہ ۱۹۔

(۲۸) سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۵۴ پارہ ۶۔

(۲۹) سورۃ محمد آیت ۳۸ پارہ ۲۶۔

(۳۰) سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰ پارہ ۴۔

(۳۱) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۳ پارہ ۱۶۔

(۳۲) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۴۶ پارہ ۱۶۔

(۳۳) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۲۵۔۳۰ پارہ ۱۶۔

(۳۴) سورۃ القصص آیت نمبر ۳۵ پارہ ۲۱۔

(۳۵) سورۃ الشعراء آیت ۵۷، ۵۹ پارہ ۱۹۔

(۳۶) سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم، تالیف عبداللہ فارابی ایم۔ آئی۔ ایس۔ پبلشرز کراچی، جلد اول، صفحہ ۱۴۶۔ خطبات مصنف حافظ ذوالفقار احمد مکتبہ الفقیر فیصل آباد، جلد نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۶، ۲۱۷۔